کہانیاں (کہانی نویسی) (حکایات)

شیر کا گھر

شہر پور کا گاؤں دریا سے ذرا ہٹ کر آباد تھا۔ گاؤں اور دریا کے درمیان سر سبز کھیت تھے۔ دریا پار کر کے ایک جنگل تھا، جس میں جنگل کا بادشاہ شیر رہتا تھا اور اس کے ساتھ اور بھی کئی شعر اپنی اپنی کچھہار میں دہاڑا کرتے تھے۔ دریا کشتی کے ذریعے غور کیا جاتا تھا، کیونکہ دریا پر کوئی پھول نہ تھا۔ شیر پور میں ایک بڑھئی رہتا تھا، جو اپنے کام میں استاد مانا جاتا تھا۔ ایک دن اسے لکڑی کا پنجرہ بنانے کیلئے لکڑی کی ضرورت تھی اس میں صبح صبح اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور دریا کے پار جنگل میں چلا گیا۔ ایک درخت سے لکڑی کاٹی اور پنجرا بنانے لگا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا کہ ایک شیر آگیا اور بولا۔ "بڑے میاں! کیا بناتے ہو؟"

بڑھی نے جواب دیا۔ "جنگل کا بادشاہ کا گھر بنا رہا ہوں۔"

شیر نے کہا۔ "اس چھوٹے سے پنجرے میں ہم کیسے جا سکتے ہیں۔؟"

بڑھی نے جواب دیا۔ "جنگل کے بادشاہ! اس میں داخل ہو کر دیکھ لیجیے۔"

شعر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پنجرے میں داخل ہوگیا۔ بڑھائی نے فورا دروازہ بند کر دیا۔ اب شیر کیا تھا اور پنجرے سے نکلنے کے لیے بے تاب، بڑھئی نے بیٹے سے کہا۔ کرو، لڑکے نے ایسے ہی کیا۔ جب پانی ابلنے لگا تو بڑھائی نے لوٹا اٹھایا اور شیر پر ڈالنے لگا۔ جوں جوں ابلتا ہوا پانی پڑتا، شیر تڑپتا جاتا، حتی کی سیر کی بدن کی کھال جل گئی اور شیر آدھ موا ہوگیا۔ بڑھئی نے یہ دیکھ کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ شیر باہر نکلا اور بے تحاشہ جنگل کو بھاگ گیا۔ بڑھائی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بلا ٹلی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جنگل سے تین شعر آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ بڑھئ اور اس کا بیٹا درخت پر چڑھ گئے۔ شیر درخت کے نیچے انہیں درخت پر چڑھنا نہیں آتا تھا۔ آخر جلا ہوا شیر نیچے کھڑا ہوگیا۔ دوسرا شعر اس کی پیٹھ پر چڑھ کر کھڑا ہوگیا۔ بڑھئ نے دیکھا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ اس نے چلا کر کہا۔ "لوٹا لاؤ۔" یہ سننا تھا کہ نیچے والا شیر بھاگا اوپر والے دونوں شیر بھی اوپر نیچے گرے اور بھاگ نکلے۔ جنگل میں جا گھسے اور پھر آنے کی کبھی کوشش نہ کریں۔ بڑھئ کی حاضر دماغی نے نہ صرف شیروں کو بھگا دیا، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ انسان جنگل کے بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے۔

اخلاقی سبق: حاضر دماغی اور عقل مندی بہترین حکمت عملی ہے۔

گیدر کی مکاری

کسی جنگل میں ایک بڑے ڈیل ڈول کا ہاتھی رہتا تھا۔ اسی جنگل میں ایک طرف گیدڑوں کا ایک وال بھی رہا کرتا تھا۔ جب ہاتھی اپنی سونڈ ہلاتا، جھومتا جھومتا، چلتا پھرتا تو گیدڑ اسے دور ہی سے دیکھ کر گل چاٹتے اور دل ہی دل میں اس کے گوشت کے مزے

لیتے، مگر بس نہ چلتا تھا کہ اتنے بڑے قد آور ہاتھی کے گوشت سے کس طرح لطف اندوز ہوں۔

ایک مدت کیل چاہت کے بعد تمام دیگر ایک رات جمع ہوئے اور ہاتھی کو مارنے کی فکر کرنے لگے۔ آخر ایک بڑے لیڈر نے ہانک لگائی کہ تم مردہ ہاتھی کا گوشت کھانے کی سوچ رہے ہو۔ میں تمہیں زندہ ہاتھی کا گوشت کھلا ونگا۔ سارے گر خوش ہو گئے اور اسی کو اپنا لیڈر بنا لیا۔

رات کا وقت تھا، ہاتھی جنگل میں ٹہل رہا تھا۔ وہی گیدر اس کے قریب آیا اور بڑے ادب سے سلام کر کے بولا: "! حضور ہم سب گیدڑوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو اپنا بادشاہ بنا لے اور آپ کی حکومت میں امن چین کی زندگی بسر کریں۔ ہاتھی منگیتر کی بات سنیں اور خوش ہو کر بولا۔ ہاں مجھے منظور ہے۔ چلو سب گیدڑوں کی منظوری لے لیں۔

غرض ہاتھی گیدڑ کے ساتھ چل پڑا۔ گیدڑ اسے ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں دل دیا یہ ہلکا پھلکا جانور چلانے لگتا ہوا دل دل پر چلنے لگا۔ ہاتھی بادشاہی کے نشے میں دل میں اترا اور دھنسنے لگا۔ آخر گھٹنوں تک دلدل میں دھنس گیا۔

اب نہ آگے چلنے کا یارا تھا، نہ پیچھے ہٹنے کی طاقت، ہاتھی کی ڈر سے چنگھاڑ کر بولا۔ "اب کیا کروں؟" گیدڑ نے کہا آپ بھاری بھرکم ہیں میں اکیلا تو آپ کو نہیں نکال سکتا۔ حکم ہو تو اپنی قوم کو بلا لوں۔

ہاتھی مرتا کیا نہ کرتا، کہنے لگا۔ ہاں! جلدی بلا ؤ۔ گیدڑ نے آواز لگائی اور سینکڑوں گیدڑان جمع ہوئے اور الگ ہاتھی کا گوشت کاٹنے اور مزے لے لے کر کھانے لگے۔ ہاتھی نے بہتیری سونڈ ہلائی، چنگھاڑا مگر انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھی کا گوشت چٹ کر لیا۔

اخلاقی سبق: خوشامد بری بلا ہے۔

جس کا کام اسی کو ساجھے

گرمی کا موسم تھا، دھوپ سے مدد کی تھی۔ ہر طرف آسمان سے آگ برسا رہی تھی۔ ایک بڑے جنگل کے کنارے ایک بڑ کا درخت شاخوں اور پتوں کی چھتری تانے کھڑا تھا۔ اس کی گھنی چھاؤں میں ایک بڑھی لکڑی کے بڑے بڑے لیڈرز چین نے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول تھا کہ اس نے کبھی بڑ کی چھاؤں کے سوا کسی طرف خیال نہیں کیا تھا۔

بڑ کے درخت کے اوپر ایک بندر بھی رہا کرتا تھا اور بڑی توجہ سے بڑھائیں کو لکڑی چیریں دیکھا کرتا تھا۔ اسے بڑائی کا کام اتنا پسند آیا کہ وہ چاہتا تھا کہ بڑھی چلا جائے اور وہ لکڑی چھیننے کیلئے اٹھ کر بیٹھ جائے اور بڑھئی بنکر لکڑی چیرے۔

بڑھائی اکثر لکڑی چیرتے وقت لکڑی میں ایک پچر ٹھونک لیا کرتا تھا۔ بندر نے یہ سارا کھیل دیکھا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بڑھائی کسی حاجت کیلیے لفٹ سے اٹھا۔ عاری اور پچر دونوں اپنی اپنی جگہ چھوڑے اور خود چلا گیا۔ بندر نے دیکھا، موقع پایا درخت سے اترا اٹھ کر بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھ کر لکڑی کی درز کے پچرے کے ساتھ کھیلنے لگا۔ زور لگاتا اور اسے ہلاتا رہا۔ حل تا خر پچر درز سے نکل آئی اور درز بند ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی بندر کا ہاتھ درز میں آکر پھنس گیا۔ بہتیرا اچھلا چلایا تڑپا مگر ایسا پھنسا کہ نکل نہ سکا۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

بڑھئی نے بندر کی سیکھنے سنی تو بھاگا ہوا آیا۔ بندر کو بے حس و حرکت پڑے پایا۔ لدی سے پچر اٹھائی اور لکڑی کی درز میں ٹھوک دی۔ درس کھلی تو بندر بھی ہلنا سکا۔ بڑھئی نے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ اسے درد کی قید سے نکال کر الگ پھینکا اور غصے سے کہنے لگا:

"جس کا کام اسی کو ساجھے"

"بیوقوف! تو بندر تھا۔ بڑھئی کی آرزو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔"

اخلاقی سبق: "جس کا کام اسی کو ساجھے اور کرے تو ٹھینگا باجے"۔

قوم کی خاطر ایثار

اربار ایک تھا جنگل جس کے ایک حصہ میری چل رہا کرتے تھے اور دوسرے حصے میں بندر۔ ایک دن ریچھوں کے جی میں آئے گی کیونکہ سارے جنگل پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے بندروں پر حملہ کیا۔ انہیں مار کر بھگا دیا اور سارے جنگل پر قبضہ کر لیا۔ بندروں نے ان کا وطن چھنا، جنگل کے چھٹے چھٹے اور وہ حیران و پریشان آوارہ گردی کرنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر ایک بندر کا بہت دل کڑھا۔ اس نے سب کو جمع کیا اور کہا "میری بات مانو، مجھے زخمی کر دو جگہ جگہ کھال نور جہاں سے ہمیں نکالا گیا ہے وہیں پھینک دو، تو میں کچھ تدبیر کرونگا ہو ریچھوں کی بلا سے نجات مل جائے گا"۔ اور تمہیں اپنا وطن واپس مل جائے گا بندر ایسے غمگسار اور ایثار مند سے یہ سلوک کرنا تو نہ چاہتے تھے مگر آخر کار مان گئے اور اس بندر کو ادھ موا کر کے ڈال گئے۔

ریچھوں نے ایک زخمی بندر کو دیکھا اور پوچھا: "تم یہاں کیسے آئے۔ تمہیں معلوم نہ تھا کہ ہم اس جنگل کے واحد مالک ہیں؟" زخمی من درمیان بڑھتے ہوئے جواب دیا! "میں نے اپنے ساتھیوں کو تمہارا غلام بن کر انہوں نے میرا یہ حال کر دیا۔ اچھا ہوا چشمہ ٹھنڈا پانی اگل رہے ہیں۔ پھلدار درختوں کے بے شمار جنگل ہیں۔ جنگل کیا ہے بہشت کا قطعہ ہے۔"

ریچھ حریص تو ہوتے ہی نہیں۔ انہوں نے کہا! "تم ہمیں وہاں لے چلو، ہم تمہارا انتقام بھی لیں گے اور اس جنگل میں چین کی بانسری بجائیں گے، تمہارے زخموں کا علاج بھی کریں گے"۔ بندر مان گیا انہوں نے ایک ریچ پر بندر کو بٹھایا اور سارے ریچھ بندر کی رہنمائی میں چل پڑے راحت بھر چلتے رہے ایک جگہ معمولی کیچڑ تھا اور اس سے آگے گہری دلدل تھوڑا سا آگے جنگل کے پاس کچھ بندر آتے اور کہنے لگے میرے پیچھے پیچھے آو ریچھ آگے بڑھتے گئے اور دلدل میں دھنستے گئے حتی کہ آخری ریچھ دل دل کی پیٹ میں اتر گیا اگلی صبح کو سارا جنگل سنسان تھا، کسی ریچھ کا پتا نہ تھا بندر خوشی مناتے ہوئے واپس آئے اور سارے جنگل کے مالک بن گئے۔ ایک بندر کا یہ ایثار ساری قوم کا اقبال بن گیا۔

اخلاقی سبق: ایک شخص کا ایثار پوری قوم کا اقبال بن جاتا ہے۔

سچ کی برکت

رات کا پچھلا پہر تھا، دن بھر کا تھکا ہارا قافلہ پڑا سو رہا تھا۔ "اچانک شور اٹھا۔ "ڈاکو آگئے، ڈاکو آگئے۔" ہونے مسافر ہڑبڑا کر اٹھے اور اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے، ڈاکوؤں نے آ رنجار رکھی تھی۔ ایک ہی کی تلاشی لے رہے تھے، لوگوں کی جیبیں ٹٹول رہے تھے، جو کچھ پاتے تھے چھین جھپٹ لیتے۔ لوٹنے والے آہ و فغان کر رہے تھے مگر ظالم ڈاکو پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

اسی قافلے میں ایک نو عمر لڑکا بھی شامل تھا جو کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور متعلق پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ ایک لڑکی کو اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: "لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟

"چالیس، شرفیاں" لڑکے نے جواب دیا یا چور اس بات کو مذاق سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ دوسرا ڈاکوؤں آیا تو لڑکی نے اسے بھی یہی جواب دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تین ڈاکوؤں نے لڑکے سے یہی جواب پایا۔

ڈاکوؤں کے سردار تک بھی یہ بات پہنچی۔ اس نے لڑکے کو بلایا اور پوچھا "لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟"

لڑکے نے اطمینان سے جواب دیا۔

سردار نے پوچھا! "کہاں ہیں چالیس اشرفیاں"

" میرے کرتے کیتیاں سلی ہوئی ہے۔" لڑکا بولا "

کرتے کی کھولی گئی تو سچ مچ سا اشرفیہ نکل ا ئیں۔

سردار نے اتنی بڑی رقم چھپا کیوں نہ لیں۔

"میری ماں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا میں جھوٹ بولتا، کر گنہگار کیوں بنتا۔" لڑکے نے جواب دیا۔ سردار نے لڑکے کا جواب سنا تو سمجھ میں پڑ گیا کہ نو عمر لڑکا ماں کی نصیحت کا اتنا پابند ہے اور اس میں ایک مدت سے اللہ کے حکم کے خلاف عمل کر رہا ہوں۔ اللہ کے حضور میرا کیا حال ہوگا؟

سردار نے حکم دیا۔ سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کرو اور خود لڑکے کے پاؤں میں گر پڑا، توبہ کی اور چوری چکاری کا پیشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔

یہ لڑکا کون تھا؟ یہ تھے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے سچ کی برکت سے پشاور ڈاکو توبہ کر کے نیک بن گئے۔

اخلاقی سبق: سچ کو آنچ نہیں   یا   سچ میں برکت ہے۔

اتفاق میں برکت

صمد ایک ایک غریب کسان تھا۔ اس کے پاس صرف دو بیل تھے، انہی کو حل میں جوتا اور کنویں میں جوتتا تھا۔ کام کر کے تھک جاتا تو بیلوں کو تھان پر باندھ کر لمبی تان کر سو جاتا۔ نہ وقت پر پانی پلاتا نہ پیٹ بھر کر چارہ کھلاتا۔ دونوں بیل دن بدن ہوتے جا رہے تھے مگر صمد کو پرواہ نہ تھی۔

ایک رات بیلوں نے سوچا کہ یہاں رہے تو سو کر مر جائیں گے۔ بہتر ہے کہ سندہ کو چھوڑے اور جنگل سے رشتہ جوڑیں۔ چنانچہ انہوں نے دانتوں سے اپنے اپنے رسے کاٹے اور چپ چاپ جنگل کی راہ لی۔

جنگل کی آزاد فضا اور گھاس کی کثرت دیکھ کر خوش ہو گئے۔ خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پاؤں پھیلا کر سو گئے گئے۔ اسی طرح دو ایک مہینے گزر گئے اور دونوں بیل دو سانڈ بن گئے ان کے لئے ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی
۔

ایک دن ایک بھولا بھٹکا شیر نکل ا یا۔ دو موٹے تازے بیل دیکھیں، خوش ہو گیا اور لگا دھاڑنے۔ بیل بھی شیر کو دیکھ کر کریں اور اپنے سی ہوئے مقابلے کو تیار ہو گئے۔ شیر جست لگاتا تو دونوں بلا سے سینگوں پر لیتے، بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخری شیر کا سارا جسم زخمی ہو گیا اور بال بال سے خون رسنے لگا۔ اس اس نے مقابلہ چھوڑا اور چپ چاپ ایک طرف کو کھسک گیا۔ بیلوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کھا سے پیٹ بھرا اور ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر سو گئے۔

اگلے دن آنکھ کھلی تو بدن کو چڑھا کر اٹھے۔ اپنے سینگوں کی تعریف کی کہ اللہ نے کیسا اچھا ہتھیار دیا ہے کہ شیر کو اپنی ہی بھول گئی۔ بے شک رہا ہوگا۔ اگر ہم میں اتفاق نہ ہوتا اور دونوں مل کر مقابلہ نہ کرتے تو شیر ایک ایک کی بوٹی توڑ کر کھا جاتا۔

اخلاقی سبق: اتفاق میں برکت ہے۔

نا اتفاقی کا انجام

اب دونوں بیلوں کی تھکن دور ہو چکی تھی۔ اپنی طاقت پر مغرور تھے۔ ایک دن شیر سے لڑائی کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک بیل نے کہا: "میری طاقت نے شیر کو بھگایا، میرے سینگوں نے اسے زخم پر زخم لگائے، تم تو بس اپنا بچاؤ کرتے رہے"۔ دوسرے نے جواب دیا۔ "واہ! اگر میں چستی سے سینگوں پر نہ لیتا شیر تمہارا اپنا پانچا ہی کر ڈالتا۔ یہ میرے ہی سینگوں کی برکت تھی کہ شیر جدھر حملہ کرتا تھا میرے سینگ ادھر ہی سے اس کے حملے کو رد کر دیتے تھے۔ تم تو فقط خود کو ہی بچاتے تھے۔"

تو تم میں میں سے تلخی اتنی بڑی کر دونوں میں تفاق نہ رہا اور دونوں نے اپنا اپنا الگ راستہ اختیار کر لیا۔ ایک جنگل کے مغرب میں چلا گیا دوسرا مشرق کی طرف بڑھ گیا۔ اتنے دنوں میں شیر تندرست ہو چکا تھا اور دور سے ہی بیلوں کو دیکھا کرتا، ہوں اتفاق نظر آتے ہیں اور ایک بیل کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھ گیا جوہی بیل چرتا ہوا کر یب آیا تو شیر نے جست لگائی اور ایک ہی پنجہ سے گردن توڑ کر رکھ دی۔ بیل گرا اور پھر نہ اٹھا شیر نے جی بھر کر تازہ گوشت کھایا اور اپنی کچھار میں جا کر سو گیا۔ اگلے دن آٹھ اور دوسرے بیل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ بیل بھی اسے جلد ہی مل گیا شیر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں اس کے گوشت کا مزہ لینے لگا۔

بیل بے خبر چل رہا تھا۔ اس کو خیال بھی نہ تھا کہ دشمن اس کی تاق میں ہے، جیسے جھاڑی کے قریب آیا، شیر انگڑائی لے کر اٹھا اور چھلانگ لگا کر بہن کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ بیل نے بہت جھٹکا، سینگ ہلائے مگر شیر نے اپنے پنجوں سے اس کی کھال ادھیڑی اور ایک پنجا اس زور سے گردن پر مارا کے گردن ایک طرف لگ گئی اور بیل زمین پر گر کر مر گیا۔ شیر نے اس کا گوشت کھایا، لہو پی کر اپنی پیاس بجھائی اور دھاڑتا ہوا ایک طرف کو نکل گیا۔

اخلاقی سبق: نا اتفاقی کا انجام برا ہوتا ہے۔

جھوٹ کی سزا

ایک نوجوان گڑریا دریا کے کنارے اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اسے عادت تھی کہ کبھی کبھی مستی میں آکر چلاتا! شیر آیا شیر آیا۔ دوڑو! " اردگرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے سنتے تو لاٹھیاں، کلہاڑیوں لے کر دوڑ پڑتے مگر جب گلے کے پاس پہنچتے تو وہاں کوئی شی، نہ پاتے گڑھے سے پوچھتے "میاں کہاں ہے شیر"

گڈریا ہنس دیتا اور کہتا میں نے تو صرف دل لگی کی تھی، شیر کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ شیر آئے تو جا ز سلامت نہ لے جانے گا۔ جلد بازو لوگ گڈریے کی پکار سن کر پہنچ جاتے رہے، مگر یہ کئی روز کی پکار سے تنگ آ گئے۔ اب اس کی پکار کو سب جھوٹ سمجھنے لگے اور کوئی ادھر توجہ نہیں دیتا تھا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن سچ مچ کہیں سے شیر آگیا۔ بھیڑوں کا گلہ دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بڑھ کر ایک بھیڑ کو پنجہ مارا بھیڑ کی گردن ٹوٹ گئی اور مڑ کر ڈھیر ہو گئی۔ گڈریا نے شور مچایا، مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔

گڈریا لاٹھی لہراتا ہوا آگے بڑھا تو شاعر نے ایک ہی جست میں اسکی گردن بھی مروڑ دی۔ بیڑی بھاگ رہی تھی۔ اور شیر ان کا شکار کر رہا تھا آخر سارے کا سارا گلہ شیر کا شکار بن گیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ نہ گڈریا آیا نہ بھیڑوں کا گلہ گڈریے کے رشتہ داروں نے رات بہت بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ڈھونڈنے کو نکل گئے چراگاہ میں پہنچے تو مردہ بھیڑوں اور مرے ہوئے گڈریے کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ گڈریے کو جھوٹ کی سزا مل چکی تھی اور بھی مفت میں جان گنوا چکی تھی۔

اخلاقی سبق: جھوٹے پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔

عقلمند بیوی

دوپہر اور چلچلاتی دھوپ، گرمی شباب پر تھی۔ ایک بڑھیا لاٹھی کے سہارے چلتی ہوئی آئی اور ایک بزازی دکان پر بیٹھ گئی۔ دوکاندار نے ہانپتی ہوئی بڑھیا کو پانی پلایا اور گاہکوں کو کپڑا دکھانے میں مصروف ہو گیا۔

بڑھیا بیٹھی رہی اور گاہکوں کی گفتگو سنتی رہی۔ گاہک چلے گئے تو بزاز نے اپنے نو عمر ملازم سے کہا کہ یہ لوگ برکا گھر میں دے دینا اور کہنا کہ فلاں صندوق میں کپڑے کا ایک تھان رکھا ہے وہ نکال کر دے دیں، گاہک کو دینا ہے۔

ملازم نے برقعہ لیا اور دکان سے نیچے اترا۔ بڑھیا بھی اٹھی اور جلدی۔ اب ملازم آگے آگے اور پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جو ہی دوکان سے ذرا دور ہوئی، اس نے ملازم کو آواز دے کر ٹھہرایا اور باتوں باتوں میں وضع اس کا گھر دریافت کر لیا۔

اچانک بڑھیا کو کچھ یاد آیا۔ ملازم سے بولی: میرے اچھے بیٹے! میں تمہاری دکان پر اپنی نقدی کی پوٹلی بھول آئی ہوں۔ ذرا دوڑ کر جاؤں اور لے آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لے جائے۔ یہ برقع مجھے دو اور جلدی آنا۔ میں یہی کھڑی انتظار کرتی ہوں۔"

ملازم بڑھیا کی باتوں میں ایسا آیا کہ اس نے برقع بڑھیا کو دیا اور دکان کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے موقع غنیمت سمجھا اور جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے بزاز کے گھر آ پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا، بازاز کی بیوی نے دروازہ کھولا اور پوچھا بڑی بھی! کیا بات ہے؟"

یہ لو برقع! ہے کہ تمہارے خاوند نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جلدی سے فلاح صندوق میں سے ایک تھا ن نکال کر دے دوں۔ گاہک دکان پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے"۔

بزاز کی بیوی نے برقع لے لیا اور کہا: تو جانے کون ہے؟ میں تجھے تھان نہیں دوں گی۔

بڑھیا نے بہتیرا کہا۔ ہاں میں دکان سے آ رہی ہوں۔ ملازم مصروف تھا، اس لئے مجھے ہی آنا پڑا، مگر باز اس کی عورت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آخر کار بڑھیا نے کہا: تھان نہیں دیتی ہو تو برقع ہی دے دو۔ میں یہی دکان پر دے دوں گی۔ بزاز کی بیوی نے کہا: برقع میرے خاوند نے بھیجا ہے، میں نے لے لیا ہے۔ اب میں تجھے نہ بلکہ دے سکتی ہو نہ تھا ان بڑی آنے والے ہونا پڑے کا چپکے سے بھاگیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اسی روز سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ ایک کٹنی شہر میں گھسی ہوئی ہے۔

اخلاقی سبق: عقلمندی بہترین حکمت عملی ہے۔

دودھ میں پانی

ایک گوالا تھا، جو ایک پہاڑ کے دامن میں رہتا تھا، وہی اپنی گائے بھی رکھتا تھا۔ دن بھر گائے ادھر گھاس چرتی رہتیں۔ شام سے ذرا پہلے دودھ ہوتا اور اس میں بہت سا پانی ملا دیتا۔ قریبی ایک قصبہ تھا شام کے اندھیرے میں دو لے آتا اور خالص دودھ کی صدا لگا کر بیچ دیتا۔ ضرورت کی چیزیں خریدا اور واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا۔ دودھ کے گھر کا اکثر شکایت کرتے ہیں کہ دودھ پتلا ہے، اس میں پانی نہ ملایا کرو، مگر والا اک اس کان سے سنتا، اور دوسرے کان سے نکال دیتا دودھ میں پانی کی ملاوٹ قدرتی امر ہے میں پانی ملانے والا لون ہوں۔

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ گوالے کے پاس بہت سا روپیہ جمع ہو گیا اور اسے اپنی دولت مندی کا احساس ہونے لگا۔ اب وہ تن کر چلتا اور کسی کی شکایت پر کان نہ دھرتا تھا۔ لالچ بڑھتا گیا اور دودھ میں پہلے سے زیادہ پانی ملانے لگ گیا۔

ایک دن یکایک سیاہ گھٹا اٹھی، بڑی پھیلی اور آسمان پر چھا گئی۔ سورج کو اپنی لپیٹ میں لیا اور ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔ گوالا بہت خوش ہوا کہ آپ پینا بر سے گھاس بڑھے گی۔ گائیں کھائیں گی اور زیادہ دودھ دینے لگے۔ بس وارے نیارے ہو جائیں گے۔ بادل گرجا، بجلی چمکی، بوندیں ٹپکیں اور موسلادھار بارش ہونے لگی۔ اولے پڑنے لگے اور ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا پہاڑوں سے پانی کا سیلاب اترا اور اس صورت سے بڑھا کہ گوالے کی ساری گائے اور جو کچھ گھر میں جمع تھا، بہا کر لے گیا۔

اب گوالے کے پاس کچھ بھی نہ تھا نہ نقدی، اور نہ ہی جانور پریشان تھا اور گھبراہٹ میں ہر شخص سے کہتا تھا کہ میں نے ایسا سیلاب نا کبھی دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ معلوم نہیں اتنا پانی کہاں سے آ گیا؟

ایک عقلمند نے سنا اور کہا "یہ وہی پانی ہے جو تم دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ خدا نے اسی پانی کو سلام بنایا اور تمہیں بے ایمانی اور بددیانتی کی سزا دی۔"

اخلاقی سبق: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

ہرنی کی دعا

شام قریب تھی، سبکتگین اپنے فرائض سے فارغ ہوا، گھوڑے کو لگام دی اور اچک کر سوار ہو گیا۔ شہر سے نکلا ، جنگل کی ٹھنڈی ہوا لگی، دماغ تازہ ہوا، گھوڑے کو ایڑی لگائیں اور جنگل میں داخل ہوا۔ ہر طرف گھوڑا دوڑایا ، مگر کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مغرب کی طرف دیکھا تو سورج کو غروب ہوتے پایا۔ فوراً شہر کی طرف بھاگ پڑی اور آہستہ آہستہ جنگل کو طے کرنے لگا۔

ناگہاں سبکتگین کی نظر ایک ہرنی پر پڑی جو اپنے چھوٹے سے بچے کو چھلا رہی تھی۔ جب شکار دیکھ لیتا ہے۔ تو صبر اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔

سبکتگین نے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وہ سیدھا ہوا جانور، اپنے مالک کے اشارے پر اچھلا اور ہرنے کی طرف چل پڑا۔ ہندی میں شکاری کو دیکھا تو بچے کو ساتھ لے کر بھاگنے لگی۔ مگر وہ بچہ ہی رہا۔ یہ ابھی چند دن کا تھا، اس کی ٹانگیں کمزور تھی صبح کیگر نے سوچا۔ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ اس بچے کو پکڑ لیا جائے۔ چنانچہ وہ گھوڑے سے نیچے اترا بچے کو پکڑا اس کی ٹانگیں باندھی اور گھوڑے پر رکھ کر سوار ہو گیا۔

گو دھا شہر کے قریب آن پہنچا۔ سبکتگین کو ایک سوگوار سی آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہرنی اپنے بچے لیلئے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔ ماں کی یہ محبت دیکھ کر سبکتگین کے دل میں اپنی ماں سے بچھڑنے کا وقت یاد آ گیا۔ اس میں گھوڑا روکا ہرنی کے بچے کی ٹانگیں کھول لیں اور اسے زمین پر رکھ دیا بچہ دوڑتا ہوا اپنی ماں سے جا کر لپٹ گیا اسے چاٹنا شروع کر دیا ہرنی نے سبکتگین کی طرف دیکھ کر آسمان کی طرف منہ اٹھایا جیسے دعا مانگ رہی ہوں۔

سبکتگین نے کچھ دیر یہ نظارہ دیکھا۔ پھر اندھیرے کو ہر طرف سے بڑھتے پایا۔ سورج کب کہاں غائب ہو چکا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائیں اور جلد ہی سے شہر میں داخل ہو گیا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔

رات نے پھر پر پھیلا دیئے۔ سارا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ دن بھر کا تھکا ہارا سبکتگین بھی اپنے بستر پر نیند کے مزے لے رہا تھا کہ ایک بزرگ آئے سبکتگین کو دیکھا، اسلام علیکم کہا اور بتایا کہ دعا قبول ہو گئی اب تو اور تیری اولاد ایک مدت تک غزنی پر حکومت کرے گی۔

بزرگ یہ خوشخبری سنا کر چلا گیا تو سبکتگین کی آنکھ کھولی گئی۔ خواب کے واقعے پر غور کیا۔ مگر کچھ سمجھ نہ آیا۔ اس خواب کو بھول جانا چاہتا تھا، مگر بھول نہ سکا۔ آخر وہ دن آ گیا کہ سبکتگین حاکم غزنی فوت ہوا اور سبکتگین سر پر تاج رکھ کر غزنی کا بادشاہ بن گیا۔

اخلاقی سبق: نیکی رائگاں نہیں جاتی۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر   خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

انصاف

سلطان مراد ترکستان کا بادشاہ اور اسلامی دنیا کا حکمران تھا۔ عیسائیوں کی بڑی بڑی حکومتیں اس کے نام سے لرزہ براندام تھیں۔ یوں تو ہر مسلمان حکمران کو عمارتیں بنوانے کا شوق رہا ہے، مگر سلطان مراد مسجدوں کی تعمیر میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے اپنے دل میں ایک مسجد کا نقشہ بنایا گیا۔ مسجد اس کے تخیل کا حسین مرقع تھی۔ اس زمانے میں ایک انجینئر کی بڑی شہرت تھی۔ بادشاہ نے اسے بلایا اپنا نقشہ اسے دکھایا اور مسجد کی تعمیر پر لگا دیا۔

وقت گزرتا رہا۔ دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں اور مہینے سال بنتے گئے۔ مسجد بنتی رہیں اور بنتی گئی گئی۔ لاکھوں اشرفیہ خرچ ہوگی۔ آخر مسجد مکمل ہوگی فی الواقع ایک شاندار عبادت گاہ تھی۔

انجینئر نے بڑے دعوے کے ساتھ بادشاہ کے حضور! حاضری دی اور غرض کی کہ حضور مسجد تیار ہے ملاحظہ فرمائیے۔ بادشاہ اگلی صبح کو مسجد دیکھنے کے لیے گیا۔ مسجد کو ہر طرف سے دیکھا۔ اوپر سے، نیچے سے، شمال سے، جنوب سے مگر اتفاق دیکھئے کہ اچھی عمارت اپنے تقاضے لیے بادشاہ کی نظر استحصا کی منتظر ہے۔ مگر بادشاہ ہے کہ اسے یہ عمارت مطلب پسند نہیں آئی۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آخر جب نہ سنبھال سکا تو حکم دیا کہ انجینئر کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

حکم کی دیر تھی۔ جلاد نے حکم پایا تو ہاتھ کاٹ دیا۔

انجینئر کو یہ سزا بلاوجہ ملی تھی۔ اسے تو اور کچھ نہ سوجھا۔ وہ سیدھا قاضی کی عدالت میں جا پہنچا اور دعوی دائر کر دیا۔ قاضی نے بادشاہ کی حاضر ہونے کا حکم دیا۔ بادشاہ حاضر ہوا تو عدالت میں انجینئر کو کھڑا پایا۔ جس کے ہاتھ سے خون کے سرخ سرخ قطرے گر رہے تھے۔

بادشاہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ قاضی نے بادشاہ کے بیانات لی اور حکم دیا کہ بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اس کے ہاتھ سے بھی خون گرنا چاہیے تاکہ آئندہ غلط فیصلہ نہ کرے۔

بازی کا فیصلہ سنا تو اپنے ہاتھ آگے بڑھا دئے۔ انجینئر نے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی اور بولا میں نے انصاف پا لیا ،میں بادشاہ کو اپنا خون معاف کرتا ہوں اور کسی دباؤ کے بغیر بخشتا ہوں۔

یہ سن کر بادشاہ کی جان میں جان آگئی۔ اس نے انجینئر کو بہت سا مال دے کر رخصت کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے قاضی اسلامی احکام کے اعلان میں اس قدر دلیر ہیں کہ بادشاہ کو بھی مجرم قرار دے دیتے ہیں۔

اخلاقی سبق: انصاف کا ہمیشہ بول بالا ہوتا ہے   یا   قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں